حیاتِ جاوید: مولانا حالی کے تزکیہ کی ایک مثال

ڈاکٹر خالد محمود سنجرانی

Abstract:

Maulana Altaf Hussain Hali was trendsetter Urdu poet and critic . He is also one of the most well-regarded biographer of Sir syed's life, and a commentator of his multidimensional work. To Hali also goes the credit of being the first to introduce the genre of biography in Urdu and all in total he authored three biographies. In Hiyat e Javaid Molana Hali paid tribute to Sir Syed Ahmad Khan. This paper deals with the psychoanalysis of Molana Hali by findings some facts regarding Hlai's concept of Father Figure. In Hiyat e Javaid Molana Hali resolved his fixation regarding the early death of his own father.

حیاتِ جاوید اور گنجے فرشتے پڑھنے کے بعد یہ خیال ایک لمحہ کے لیے دل میں پیدا ہوا تھا کہ اگر منٹو حیاتِ جاوید لکھتے تو کیسی لکھتے۔ جواب کے طور پر ایک مسکراہٹ سی لبوں پر پھیلی تھی کہ ممکن ہے منٹو کا قلم 'کنکوے اڑانے' اور 'کوٹھوں پر جانے' پر ہی رک جاتا اور حیات جاوید انہی مشاغل کی تفسیر بن کر ابھرتی۔ شخصیت کے حوالے سے ممتاز مفتی نے کہا ہے:

> شخصیت فقیر کی گدڑی ہے۔ پیوند ہی پیوند۔ بنت میں رنگ میں، کوالیٹی میں، شکل میں ہر ٹکڑا دوسرے سے مختلف ہے۔ انسانی شخصیت کا حیران کن پہلو اس کی پرکار سادگی ہے۔ یہ شمع ہر رنگ میں نہیں جلتی۔ بظاہر ایک رنگ۔ اس رنگ کے پردے میں ہفت رنگی۔ (۱)

نفسیاتی اعتبار سے یہ سوال اہم رہا ہے کہ شخصیت اور سوانح پر لکھنے والا اس گدڑی میں سے کس ٹکڑے کا انتخاب کرتا ہے اور کس وجہ سے دیگر ٹکڑوں کو نظر انداز کرتا ہے اور منتخب شدہ ٹکڑے کو کس طور منفرد بنا کر پیش کرتا ہے۔ ہر لکھنے والے کے لاشعوری محرکات ایک دوسرے سے جدا جدا اور الگ خصائص کے آئینہ دار ہوتے ہیں

۔مولانا حالی نے اگر سرسید کی سوانح کو 'کرٹیکل' انداز میں پیش نہیں کیا اور منٹو نے اپنے معاصرین کا 'مونڈن' کیا تو عصری بعد، اصناف کے امتیازات اور سماجی تقاضوں کے پہلو بہ پہلو خود مصنف کی لاشعوری دنیا کا بھی اس میں گہرا عمل دخل ہے۔تنقید و تحقیق میں سماجی مطالبات ،عصری منظرنامے،اصناف کی رنگارنگی کی بنیاد پر مصنف کی انفرادیت اور دوسروں سے اس کے امتیازات کا چرچا ہوتا رہتا ہے لیکن خود مصنف کی لاشعوری دنیا بھی اس کا ایک اہم موجب ہے جس کی طرف عام طور پر نگاہ نہیں پڑتی۔

اس ضمن میں منٹو سے ہٹ کر اگر مولانا حالی کے ایک ممتاز معاصر ڈپٹی نذیر احمد کی مثال پیش کی جائے تو بات مزید واضح ہو جاتی ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کی سخت گیری، بے لاگ رائے اور دوٹوک انداز ان کی شخصیت کا غالب رجحان نظر آتا ہے۔انھوں نے بلاشبہ علی گڑھ تحریک میں نہ صرف شمولیت اختیار کی بلکہ سرسید کی 'دامے،قدمے، سخنے' مدد کی اور ان کے ہم رکاب رہے۔اس باہمی ربط وضبط کے باوجود **ابن الوقت** کے مرکزی کردار پر سرسید احمد خان کا گماں خود ڈپٹی نذیر احمد کی زندگی میں سامنے آیا۔انھوں نے اگرچہ اس امر کی تردید قدرے جھنجلاہٹ کے ساتھ کی علمی حلقے ان کی تائید نما تردید کو زیادہ خاطر میں نہ لائے اور ڈپٹی نذیر احمد کو **ابن الوقت** کے حوالے سے ہمیشہ دفاع کرنا پڑا۔ مولانا حالی اور ڈپٹی نذیر احمد دونوں ہم عصر تھے، دونوں سرسید کے نزدیک تر تھے، ان کے افکار و نظریات میں بہ ظاہر ہم آہنگی موجود تھی،سماجی اور سیاسی تقاضے دونوں معاصرین کے لیے یکساں تھے لیکن سرسید کے حوالے سے **حیاتِ جاوید** اور **ابن الوقت** میں خاصا بعد نظر آتا ہے اور اسی بعد سے لکھنے والے کی لاشعوری دنیا کے امتیازات اور خصائص ابھرتے ہیں۔

سرسید احمد خاں کی شخصیت اور سوانحی حالات پر قلم اٹھاتے ہوئے مولانا حالی کا یہ تصور کہ ابھی وہ زمانہ نہیں آیا کہ کسی کی بائیوگرافی کرٹیکل انداز میں لکھی جائے ،نفسیاتی سطح پر سماجی مطالبے سے زیادہ خود سوانح نگار کا نفسیاتی مطالبہ بن کر سامنے آتا ہے۔اگر یہ سماجی اور ایک خاص عہد کا تقاضا تھا تو حیرت ہوتی ہے کہ اکبر الہ آبادی اور ڈپٹی نذیر احمد کے ساتھ دیگر کئی نام ور لکھنے والے مولانا حالی کی طرح اس سماجی مطالبے سے لاعلم کیوں رہے۔ڈپٹی نذیر احمد نے تخلیقی نزاکت اور تقاضوں کے تحت ممکنہ حد تک شخصی چھاپ کو دور کرنے کی سعی کی لیکن وہ اس میں چنداں کامیاب نہیں ہو سکے۔تحقیق وتنقید سے وابستہ اہلِ علم کے لیے رسالہ **اسبابِ بغاوتِ ہند** اور **ابن الوقت** میں سالانہ ڈنر کے موقع پر کی جانے والی تقریر میں حیران کن مماثلت کا سراغ لگانا قصہء پارینہ بن چکا ہے۔اس صورتِ حال میں مولانا حالی کے ہاں زمانے کے تقاضوں سے زیادہ خود ان کی نفسیاتی بنت کا عمل دخل نظر آتا ہے۔

سرسید احمد خاں کی سوانح **حیاتِ جاوید** میں مولانا حالی کی عقیدت کا درجہ، اخلاص کا عمیق پہلو، جاں گسل محنت اور وابستگی کا بے مثل جذبہ جس طور نمایاں ہوا، وہ ان کی دیگر سوانح عمریوں بالخصوص 'یادگارِ غالب' میں عنقا ہے۔شیخ سعدی اور مرزا غالب کی شخصیت نفسیاتی حوالوں سے مولانا حالی کے لیے سرسید سے زیادہ پرکشش نہ تھی۔مولانا حالی نفسیاتی اعتبار سے سرسید احمد خاں سے جس انداز میں متاثر ہوئے، اس طور کسی اور سے نہیں ہوئے۔نفسیاتی سطح پر اس کی ایک وجہ مولانا حالی کا تصور پدر ہے کہ جس کے سانچے میں مرزا غالب کی شخصیت اس

طور ڈھلتی نظر نہیں آتی جس طور سرسید کی شخصیت ان کے 'تصورِ پدر' کے سانچے میں ڈھل گئی۔

سرسید احمد خاں سے قبل مولانا حالی کی نسبت مرزا غالب سے رہی۔ مرزا غالب نے انھیں اپنی شاگردی میں لینا قبول کیا۔ اس زمانے میں مولانا حالی کی عمر بھی ایسی تھی کہ وہ باآسانی مرزا غالب کو اپنے 'تصورِ پدر' کے طور پر لاشعوری سطح پر قبول کر سکتے تھے لیکن 'حیاتِ جاوید' سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایسا ہوا نہیں۔ مولانا حالی کی مرزا غالب سے وابستگی اور عقیدت کا جذبہ بے پناہ تھا لیکن حالی کا تصورِ پدر مشرقی تہذیب کے تصور کے نمایاں خصائص کے نزدیک تر دکھائی دیتا ہے۔ گمانِ غالب ہے کہ مرزا غالب کی رندی اور سکہ بندقدروں سے ان کی بے نیازی مولانا حالی کے تصورِ پدر سے مطابقت نہ رکھتی تھی۔ شعر و ادب بالخصوص افسانوی ادب میں 'ایڈی پس الجھاؤ' کی کئی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ جن میں لکھنے والوں کا تصورِ پدر اقدار کی پاسداری، مضبوطی اور طاقت سے منسلک رہا ہے، جہاں کہیں اس احساس کو ٹھیس پہنچی ہے، وہاں وہاں لاشعوری دنیا کے جھمیلے تحریروں میں اس طور جھلکے ہیں کہ والد نے بغض، عناد، دوری اور بے زاری کے موضوعات سامنے آئے ہیں۔ ممتاز مفتی کے ہاں **علی پور کا ایلی** اور منٹو کے ہاں **الله دتا** اس کی واضح مثالیں ہیں۔ عمومی مشاہدہ میں ہے کہ مشرق میں مضبوط تصورِ پدر والد کے اس تشخص سے جڑا ہے جو طاقت اور اقدار سے جڑا ہوا ہے۔ مرزا غالب کی شخصیت میں مولانا حالی کے لیے ایسی کوئی کشش نہ تھی۔ مرزا غالب کے علاوہ مولانا حالی نواب شیفتہ سے بھی نزدیک تر رہے۔ مولانا حالی کے لیے شیفتہ کی شخصیت ایک حد تک مثالی تھی۔ ڈاکٹر غلام مصطفی خاں نے مولانا حالی کی عربی نظم ونثر، مولود شریف اور نعتیہ قصائد کو شیفتہ سے تعلق اور شیفتگی کے پس منظر میں دیکھا ہے [۲]۔ مذہبی، اخلاقی اور طاقت کے اعتبار سے شیفتہ مولانا حالی کے تصورِ پدر کے نزدیک تر ہوں گے لیکن لاشعوری سطح پر ایک دقت سماجی مرتبے کے تفاوت میں ہوسکتی ہے جو مولانا حالی کے تصورِ پدر میں مانع ہوگی۔ یہ سماجی تفاوت شیفتہ کی رئیس داری اور تعلقہ داری کے سبب ہوسکتا ہے۔ یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ ڈاکٹر غلام مصطفی خاں کے بقول مولانا حالی کے "نواب شیفتہ کے بچوں کی اتالیقی سپرد تھی"[۳] قیاس کیا جا سکتا ہے کہ مولانا حالی اور شیفتہ کے درمیان حائل یہ سماجی تفاوت ان کے تصورِ پدر کے بیچ میں ایک رکاوٹ رہا ہوگا۔ سرسید احمد خاں کی ذات میں ممکنہ حد تک وہ پہلو موجود تھے جو مولانا حالی کے بچپن اور لڑکپن کے نفسیاتی خلا کو پر کر سکتے تھے۔ مولانا حالی نے **حیاتِ جاوید** کی تدوین میں اسی پہلو کو اپنی طاقت میں بدلا اور سوانح لکھتے ہوئے لاشعوری طور پر ان کے ہاں سرسید احمد خاں کی شخصیت 'تصورِ پدر' سے وابستہ ہوگئی۔ مولانا حالی کے سوانحی حالات مذکورہ بحث اور خیال کو تقویت دیتے ہیں۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ان کے ابتدائی حالات زندگی کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

> مولانا حالی ۱۲۵۳ھ (مطابق ۱۸۳۷ء) میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ ابھی نو برس کے تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ مولانا کے بڑے بھائی خواجہ امداد حسین اور بڑی بہن نے سرپرستی کی[۴]

مولانا حالی شعور کے ابتدائی مرحلے میں داخل ہو رہے تھے جب ان کے والد کا انتقال ہوا۔ شعوری سطح کے

اس مرحلے پر والد کا دنیا سے اٹھ جانا لاشعوری دنیا میں سنگینی کا سامان پیدا کر دیتا ہے۔ لاشعوری سطح پر یہ سنگینی اس وقت شدت اختیار کر لیتی ہے جب 'تصور پدر' سے مطابقت رکھنے والی کوئی ہستی والد کی جگہ نہ لے۔ مولانا حالی لاشعوری طور پر اسی سنگینی سے گزرے۔ بڑے بھائی اور بڑی بہن کی بیک وقت سرپرستی نے انھیں لاشعوری طور پر دو پاٹوں کے بیچ میں لا کھڑا کیا۔ والد کے اٹھ جانے کے بعد وہ لاشعوری سطح پر کسی ایسی ہستی کے متلاشی رہے جسے وہ اپنے 'تصورِ پدر' کے نزدیک تر محسوس کر سکیں۔ مولانا حالی لکھتے ہیں: ''نو برس کی عمر سے لے کر ۱۸۵۷ء تک کے زمانے کا عرصہ بغیر کسی ترتیب اور نظام کے گزرا'' (۵) مولانا حالی نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہ کی تھی۔ خود ان کی فراہم کردہ معلومات کی روشنی میں انھوں نے آغاز میں ایک بزرگ سید جعفر علی سے فارسی، مولوی حاجی ابرہیم حسین انصاری سے صرف و نحو، نوازش علی صاحب صاحب سے منطق اور صرف و نحو کی کچھ کتابیں پڑھیں تھیں (۶)۔ ۱۸۵۷ء کے زمانے میں اپنی تعلیم کے بارے میں مولانا حالی لکھتے ہیں:

> اس عرصہ پانی پت کے مشہور فضلاء مولوی (قاری) عبدالرحمٰن (التوفی ۱۳۱۴ھ، ۱۸۹۶ء) مولوی محبّ اللہ اور مولوی قلندر علی مرحومان سے بغیر کسی ترتیب اور نظام کے کبھی منطق یا فلسفہ ،کبھی حدیث، کبھی تفسیر پڑھتا رہا۔ (۷)

حصولِ علم کے لیے مولانا حالی کی یہ ''بے ترتیبی''، ''بغیر کسی نظام کے'' اور ''غیر مسلسل طریقے'' ان کی لاشعوری دنیا کی کلید ہیں۔ وہ لاشعوری سطح پر ''تصورِ پدر'' کی تکمیل میں سرگرداں رہے۔ اگر ان کے ہاں تصور پدر استحکام پذیر ہوتا تو ان کی تحریروں میں حصول علم کے لیے اس بے ترتیبی اور غیر مسلسل طریقے کی بلیغ علامات نظر نہ آتیں۔ پانی پت، دلی، لاہور اور بالآخر علی گڑھ میں انھوں نے جن جن ہستیوں سے کسبِ فیض کیا یا نزدیکی اختیار کی، ان کی فہرست طویل ہے۔ ان کے ہاں خوب سے خوب تر کی جستجو لاشعوری سطح پر 'تصورِ پدر' کے حصول کی تگ و دو کی علامت بن کر ظاہر ہوئی ہے۔ انھوں نے اپنی ابتدائی زندگی میں بہت سے اساتذہ کے ہاں اس تصور کی تلاش کرنے کی لاشعوری کاوش کی ہوگی، ان تلاش کا یہ سفر طول پکڑتا چلا گیا اور لاشعوری محرک کے نتیجے میں ان کی زندگی میں بہت سے اشخاص غیر مسلسل طریقے سے آتے جاتے رہے جن میں شیفتہ، مرزا غالب اور سرسید احمد خاں نمایاں ہیں۔

سرسید احمد خاں کی شخصیت میں مولانا حالی کے لیے بڑی دلاویزی تھی جس کا اظہار کم و بیش چار دہائیوں تک مسلسل ان کی تحریروں میں مل جاتا ہے۔ مولانا حالی سرسید کی توجہ حاصل کرنے کے لیے لگ بھگ کم سنی کے انداز میں کوشاں رہے اور انھیں جواب میں بھرپور شفقت بھری توجہ حاصل بھی ہوئی۔ مولانا حالی دلی سے نظمیں لکھ لکھ کر سرسید کی خدمت میں روانہ کرتے، سرسید کی شان میں قصائد بھی تحریر کرتے رہے، علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھے جانے پر ان کا ایک نا تمام قصیدہ (۸) بھی ملتا ہے۔ سرسید احمد خاں کی وفات سے کم و بیش چھبیس سال قبل انھوں نے سرسید احمد خاں کو 'خضر' اور 'مسیحا' کے اوصاف کا حامل قرار دیتے ہوئے لکھا:

> میں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے مجھ کو مولوی سید احمد خاں کا خوش کرنا مقصود نہیں، نہ ان کے مخالفوں سے بحث کرنی مقصود ہے بلکہ اس کا منشاء وہ ضرورت اور وہ مصلحت ہے جس کے سبب

سے بھولے کو راہ بتائی جاتی ہے اور مریض کو دوائے تلخ کی ترغیب دی جاتی ہے۔ (۹)

سرسید احمد خاں کو خضر اور مسیحا جیسے انداز سے دیکھنے والے مولانا حالی کم و بیش تیس برس بعد 'حیاتِ جاوید' میں سرسید احمد خاں کو قرنوں اور صدیوں کے بعد پیدا ہونے والے نابغے (۱۰) کی حیثیت سے دیکھ رہے تھے۔'حیاتِ جاوید' میں مولانا حالی نے سرسید احمد خاں کی زندگی میں ان کی یادگاریں تعمیر کرنے پر ان کے انکار کو عجیب سرخوشی اور قدرے افتخار سے ساتھ اجاگر کیا ہے۔

حیاتِ جاوید سے قبل سرسید احمد خاں کے بارے میں مولانا حالی کی تحریروں کا دورانیہ کم و تین چار دہائیوں پر محیط ہے۔ اس میں شعری و نثری ہر دو طرح کی تحریریں اس امر کی نشان دہی کرتی ہیں کہ مولانا حالی 'حیاتِ جاوید' کی تدوین سے قبل ہی سرسید سے حددرجہ متاثر تھے جس کا نفسیاتی محرک اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے۔مولانا حالی سرسید کے خیالات اور جوشِ عمل کے زیر اثر رہے ہیں اور اس اثر پذیری میں بھی ان کے نفسیاتی خلا کا خاصا عمل دخل دکھائی دیتا ہے۔انجمن پنجاب کے مشاعرے میں ''نشاطِ امید'' کے عنوان سے مولانا حالی نے بھی اپنی نظم پیش کی تھی۔ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں نے امکان ظاہر کیا ہے کہ سرسید احمد خاں کے مضمون 'امید کی خوشی' کو دیکھ کر مولانا حالی کو اس نظم کی ترغیب ہوئی ہو(۱۱)۔ حیرت ہوتی ہے ڈاکٹر عارف ثاقب نے انجمنِ پنجاب کے تحت ہونے والے اس مشاعرے کا موضوع 'نشاطِ امید' کی بجائے 'امید' (۱۲) درج کیا ہے۔شاعری میں مولانا کا عظیم الشان کارنامہ 'مد و جزرِ اسلام' بھی سرسید احمد خاں کی ترغیب کا ثمر ہے۔اس نوع کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں کہ جو حالی اور سرسید کے باہمی ربط وضبط کی عکاس ہیں۔اس باہمی ربط وضبط میں سرسید نے ہمیشہ مولانا حالی کی شفقتِ پدری کے ساتھ حوصلہ افزائی کی اور ان کے تصورِ پدر کے نزدیک تر ہوتے چلے گئے۔مولانا حالی کی شخصیت میں 'تصورِ پدر' کے خلا کو ان کی ایک کم معروف مثنوی 'حقوقِ اولاد' میں بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ والد اور اولاد کے رشتے اور اولاد کے حقوق کو اس مثنوی میں لطیف انداز میں مقصدیت کے تحت اجاگر کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر نے سرسید احمد خاں کے تجرد کو جنسی نفسیات کی روشنی میں پرکھا ہے۔ان کے خیال میں ''یہ سودا جنسی توانائی کے علاوہ کچھ اور نہیں ہو سکتا جس کا ارتفاع بیس برس حب قومی کی صورت میں ہوتا ہے ۔ بے جانے بوجھے ایک اور مقام پر حالی ایسے فقرات لکھ گئے ہیں جن سے ذہن لبیڈو (Libido) کے ارتفاعی عمل کی طرف منتقل ہوتا ہے''(۱۳) ڈاکٹر سلیم اختر نے **حیاتِ جاوید** کے متن سے سرسید احمد خاں کے تحلیل نفسی میں معاون مثالیں پیشِ نظر رکھی ہیں۔مجموعی طور پر **حیات جاوید** کو اور اس کے مصنف کو سامنے رکھا جائے تو مصنف کی زندگی میں 'تصورِ پدر' سرسید احمد خاں کی شخصیت سے وابستہ ہوتا ہوا نظر آتا ہے اور **حیاتِ جاوید** اس کی تفسیر بن کر ابھرتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات:

(۱) ممتاز مفتی، **اور اوکھے لوگ** (لاہور: فیروز سنز، ۱۹۹۱ء) ص ۳

(۲) غلام مصطفیٰ خاں، **حالی کا ذہنی ارتقاء**، (کراچی: شہزاد، ۲۰۰۳) ص ۱۹

(۳) ------- ایضاً--------- ص ۱۲

(۴) ------- ایضاً--------- ص ۱۰

(۵) ------- ایضاً--------- ص ۱۲ (بہ حوالہ)

(۶) ------- ایضاً--------- (بہ حوالہ)

(۷) ------- ایضاً--------- (بہ حوالہ)

(۸) سرسید احمد خاں کی مدح میں مولانا کہ یہ قصیدہ ۱۸۷۷ء کی یادگار رہے جب علی گڑھ کالج کا ڈول ڈالا گیا۔ (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں **حالی کا ذہنی ارتقا** از ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں)

(۹) غلام مصطفیٰ خاں، **حالی کا ذہنی ارتقاء**، ص ۱۹

(۱۰) الطاف حسین حالی، **حیاتِ جاوید** (میرپور: ارسلان بکس، ۲۰۰۰) ص ۲۵۵

(۱۱) غلام مصطفیٰ خاں، **حالی کا ذہنی ارتقاء**، ص ۲۹

(۱۲) عارف ثاقب، **انجمنِ پنجاب کے مشاعرے** (لاہور: الوقار ۱۹۹۵ء) ص ۲۰

(۱۳) سلیم اختر 'حیاتِ جاوید کا تنقیدی مطالعہ' مشمولہ '**احوال و نقدِ حالی**' مرتبہ محمد حیات خان سیال و شمیم حیات سیال (لاہور: نذر سنز، ۱۹۸۱ء) ص ۴۰۷۔۴۰۸

OOO